

اپنے معاملات صاف کرو

(فرمودہ ۱۹ نومبر ۱۹۷۲ء)



حضور نے تشدد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کئے بعد فرمایا:-

”میں نے بتایا تھا کہ ایمان کی تکمیل کے لیے بہت ہی تفصیلات ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔ ان کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور انسان وہ فوائد حاصل نہیں کر سکتا۔ جو مذہب کے ذریعہ خدا دُنیا کو پہنچانا چاہتا ہے۔ اس مضمون کے کچھ حصے بیان کئے تھے اور ایک بات میں اس میں سے آج بیان کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے خود بنی نوع کے نفع کی غرض سے شریعت کے قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ اگر کوئی چوری نہیں کرتا ہے تو اس میں خدا کا فائدہ نہیں۔ اگر کرتا ہے تو اس کا نقصان نہیں۔ کوئی قتل کرتا ہے تو اللہ کا نقصان نہیں۔ نہیں کرتا تو فائدہ نہیں۔ وہ اپنی ذات میں کامل ہے۔ انسان پیدا ہوتا یا نہ ہوتا تو اس کی حکومت پر اس کا کچھ اثر نہیں پس جس قدر احکام شریعیہ ہیں ان سب میں انسان کا فائدہ ہے مگر بعض احکام میں انسان کو نفع نظر آتا ہے بعض میں نہیں جب انسانوں کے علم و تجربہ میں فرق ہوتا ہے تو اس وقت بھی بعض باتوں کے فرق بعض کو نظر آتے ہیں بعض کو نہیں۔

مثلاً بچے میں اور ماں باپ میں فرق ہوتا ہے۔ بچہ کا فرض ہوتا ہے کہ ماں باپ کی بات چوں چڑا مانے۔ کیونکہ ماں باپ کے احکام تجربہ کی بنا پر ہیں اور بچہ ان حالتوں سے واقف نہیں۔ اگر بچہ انکار کرے۔ تب لوگ اس کو ملامت کریں گے۔ جب بچہ جوان ہوتا ہے تو ماں باپ بھی اس کو پہلے کی طرح احکام نہیں دیتے اور نہ وہ تفصیلات میں اس طرح ماں باپ کے احکام ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے تاہم بچہ پر ماں باپ کی اطاعت فرض ہوتی ہے، لیکن ماں باپ کا تجربہ محدود ہے خدا کا محدود نہیں۔ کیونکہ خدا انسان کو پیدا کرنے والا ہے۔ پیدا کرنے والے سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہو سکتی بعض اوقات ماں باپ کا تجربہ غلط بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب چھپک کا ٹیکا نکلا۔ اس وقت عام طور پر لوگوں میں خیال

تھا کہ سرکار بچوں کو مارنا چاہتی ہے۔ اس لیے جب ٹیکا لگانے والے آتے۔ تو بچوں کو چھپا دیتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ محض اس ماں باپ کی بدگمانی کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں بچے ہلاک ہو جاتے اور ان کی صورتیں بگڑ جاتیں۔ تو یہ ماں باپ کے غلط تجربے اور محض بدگمانی کا نتیجہ تھا۔ جو بچوں کو بھگتنا پڑتا تھا لیکن خدا تعالیٰ کے احکام کی یہ حالت نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے۔ اور اس کا علم ازلی اور حکمت ازلی ہے۔ بعض لوگ ہوتے ہیں جو پوچھا کرتے ہیں کہ عصر کی چار رکعتیں کیوں ہیں؟ اور مغرب کی تین کیوں؟ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر جب دوا دیتا ہے تو وہ نسخہ میں بعض دواؤں کے تین قطرے لکھتا ہے۔ بعض کے چار۔ بعض کے زیادہ۔ بعض کے کم۔ مریض کا یہ حق نہیں کہ پوچھے کہ دوا تین کم و بیش کیوں ڈالتا ہے۔ اگر کوئی پوچھنے پر مصر ہو تو ڈاکٹر نسخہ کو بچھاڑ دیگا۔ پس ڈاکٹر جو لکھتا ہے مریض کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض دفعہ ڈاکٹر بھی تفصیل نہیں بتا سکتا۔ اس کے پاس الفاظ نہیں ہوتے یا الفاظ تو ہوتے ہیں۔ مگر وہ نتیجہ حسب منشاء نہیں نکال سکتا، مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر وہ کسی چیز کی تفصیل بیان نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اس مطلب کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور اس فرق کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اگر ڈاکٹر نہیں جانتا۔ تو اس پر اعتبار کیا جاتا ہے خدا جانتا ہے اس کے جاننے پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔

ہر چیز کا سبب ہوتا ہے مگر بہت دفعہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نماز کی مختلف اوقات کی رکعتوں میں کمی بیشی کا سبب ہے مگر قدرت نے اس لیے بیان نہیں کیا کہ انسان نہیں سمجھ سکتا۔ ڈاکٹر بعض اوقات دواؤں کے فرق نہیں بتا سکتا۔ مگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ دوا اس مقدار میں دینا مفید ہوگا۔ اسی طرح بعض لوگ نیچا کرتا پہنتے ہیں۔ بعض اونچا۔ اگر پوچھا جائے تو عاقلوں پر نہیں بتا سکیں گے ہاں یہ کہیں گے کہ ہمارے دل کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجوہ ہیں مگر وہ بیان نہیں کر سکتے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اگر بیان نہیں فرمایا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کی اہلیت نہیں کہ اس فرق کو محسوس کر سکے مثلاً بعض کیڑے ہیں کہ ہم آنکھ سے ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں اگر خوردبین ہو تو وہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ اگر خوردبین والا دوسرے کو کہے کہ وہ کیڑا جاتا ہے تم کو نظر نہیں آتا تو لوگ اس کو پاگل کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کوئی لغو کام نہیں کرتا۔ چونکہ بندہ ان فرقوں کو محسوس نہیں کر سکتا اس لیے بعض تفصیلات اللہ تعالیٰ بیان نہیں فرماتا۔ اس لیے مومن کو چاہیے کہ ان باتوں پر قیاس کر کے خدا کے ہر ایک حکم پر بلا چون و چرا عمل کر لیا کرے۔

میں آج ایک حکم بیان کرتا ہوں۔ اس کے لیے اس قدر تسہیل کی ضرورت تو نہ تھی، مگر بعض لوگ بعض خاص اعمال میں کچے ہوتے ہیں۔ مثلاً اموال کا معاملہ ہے۔ لوگ قدرتا مال کی طرف میل رکھتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مال سے ہم آرام حاصل کریں گے۔ اور اس سے ہماری حفاظت ہوگی۔ مال کو چاہنا اس لیے نہیں ہوتا کہ مال سے ان کو محبت ہوتی ہے بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مال سے وہ آرام کی اشیاء تیار کرتے ہیں۔ بخیل بھی اسی لیے مال جمع کرتا ہے کہ اس کو اپنے آرام کا خیال ہوتا ہے مگر وہ ہر دفعہ خیال کرتا ہے کہ شاید اس سے بڑی ضرورت پڑ جائے اس لیے وہ مال خرچ نہیں کرتا ورنہ مال کی ذات سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص روٹی لیکر سفر کر چلے اور جب بھوک لگے تو کھے شاید اس سے زیادہ ضرورت ہو۔ روٹی نہیں کھانی چاہیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بھوک سے جان نکل جاتی ہے۔ یہی حال بخیل کا ہوتا ہے۔ وہ آئندہ زیادہ ضرورت کے خیال سے کچھ بھی کسی ضرورت پر خرچ نہیں کرتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی جان نکل جاتی ہے۔ مال دوسروں کے قبضہ میں جاتا ہے۔

پس مال کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس میں کمزوری دکھاتے ہیں۔ مثلاً چوریاں ہوتی ہیں۔ جو لوگ چوریاں کرتے ہیں۔ اگر وہ خیال کریں کہ اگر ان کے ہاں چوری ہو تو ان کو کتنا صدمہ ہو تو وہ چوری سے باز آئیں۔ جو لوگ چوری کرتے ہیں جب تک ان کے جواب میں چوری نہیں ہوتی۔ وہ چوری کرتے ہیں۔ پنجاب کے بعض علاقوں میں جانوروں کی چوریاں ہوتی ہیں۔ جن کی چوری ہوتی ہے۔ وہ چوروں کے جانور چرائیتے ہیں۔ پھر وہ جانور ان کے جانور دیدیتے ہیں اور اپنے منتوں کے ساتھ لے لیتے ہیں۔ اس طرح بعض لوگ رات کو کھیتوں میں فصلیں کاٹ لیتے ہیں۔ اسی طرح لوگ ان کی فصلیں کاٹ لیتے ہیں۔ پھر ان کو معلوم ہوتا ہے کہ فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔

اسی طرح جو لوگ قرض لیتے ہیں اور پھر دینے میں حیل و حجت کرتے یا سستی کرتے یا مکر جاتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن ہوتے ہیں نہ صرف اپنے ملک اپنی قوم کے بھی دشمن ہوتے ہیں جب ان کو ضرورت پڑتی ہے تو گڑگڑاتے ہیں۔ مگر جب قرض خواہ مطالبہ کرتا ہے تو اس کو آنکھیں دکھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بد معاملگی سے ذکر کروہ لوگ جن کو سچی ضرورت ہوتی ہے قرض لینے سے محروم رہتے ہیں کیونکہ جس شخص کے پاس وہ قرض لینے جاتے ہیں۔ وہ ان کی بات کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ جبکہ پہلے وہ دیکھ چکا ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے اس سے قرض لے کر کیا سلوک کیا۔ ایسے لوگ دو طرح مضر ہوتے ہیں اور دو قسم کے لوگوں کے لیے مضر ہوتے ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو سچی ضرورت رکھتے ہیں ان کو قرض نہیں مل سکتا۔ (۲) وہ لوگ جن سے قرض لیتے ہیں آئندہ ان کو نیکی کرنے سے محروم کر دیتے ہیں اور نیز ایسے لوگ دوسرے لوگوں کو بد معاملگی کی تعلیم کراتے ہیں۔

خوب یاد رکھو جس طرح شریعت یہ کہتی ہے کہ دوسروں سے نیکی کرو۔ اس طرح یہ بھی کہتی ہے کہ محسن کے احسان کی قدر کرو۔ اور احسان فراموش نہ بنو۔ جو شخص تم کو ضرورت کے وقت قرض دیتا ہے وہ تمہارا محسن ہے۔ تم اس کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرو۔ اور جن آنکھوں سے یہاں سے انہی سے دو۔ بعض لوگ جب قرض لے جاتے ہیں۔ تو بہت الجاح سے کام لیتے ہیں۔ مگر جب وہ مانگنے آتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں۔ لاٹ صاحب بن گیا۔ ہر وقت سر پر چڑھا رہتا ہے۔ حالانکہ لینے والے کا حق تھا کہ وہ سختی کرے۔ مگر یہاں الٹا معاملہ ہے کہ جب مطالبہ کیا جاتے۔ تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ ہم پر حکومت کرنے لگا ہے۔

رسول کریمؐ سے کسی غیر مسلم شخص نے کچھ لینا تھا وہ آیا۔ اور سختی کرنے لگا بعض صحابہؓ کو برا معلوم ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کا مقروض ہوں اس کو حق ہے کہ سختی کرے۔
تو ضرورت کے وقت جاتے ہیں۔ اور لیتے ہیں لیکن جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو کبھی سامنے نہیں ہوتے اور ہمیشہ آنکھ بچا کر نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر قرض خواہ لوگوں کے پاس کہے کہ آپ ہی لے دیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم اب نہیں دینگے کیونکہ اس نے ہمیں بدنام کیا ہے۔ گویا وہ اس کے باپ کی جائیداد میں سے کچھ اس سے مانگتا تھا۔ اس کا حق تھا۔ وہ کیوں نہ طلب کرتا۔ جو شخص ایسے کمینہ کو گالی دیتا ہے وہ حق ہے اگرچہ اخلاق گالی کی اجازت نہیں دیتا۔ کانے کو کاننا حق ہے مگر اخلاق سے بعید ہے۔ چور کو چور کہنا جائز ہے لیکن مجسٹریٹ کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ شریعت نے منع کیا ہے کہ کانے کو کاننا کہنا جائے۔ اسلئے کہ جو کاننا کہتا ہے وہ اسکو چڑانا چاہتا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کانے کو کاننا کہنا درست ہے۔ اس طرح جو شخص کسی کا مال مارتا ہے۔ حق ہے کہ وہ اس کو چور یا ڈاکو کہے۔ کیونکہ یہ اس عیب کا مرتکب ہوتا ہے بعض لوگوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ قرض لینے میں اور اس سے اپنی جائیداد بناتے ہیں۔ قرض دینے والا اس خیال سے کہ ان کو ضرورت ہے۔ ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم کر کے دے دیتا ہے، لیکن جب وہ مطالبہ کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ دس دن کو آنا۔ پھر جب جاتے تو پھر دس دن توقف کرنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کئی دفعہ ہو چکنے کے بعد انکار کر بیٹھتے

ہیں۔ یا بعض عدم گنجائش کا بہانہ کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کہنا ان کو جرم سے نہیں بچاتا کیونکہ جب قرض لینے لگے تھے۔ ضروری تھا کہ اس وقت حیثیت کو سوچتے۔ نہ یہ کہ جب دینے کا وقت آیا۔ اس وقت گنجائش کا سوال اٹھایا۔ پس جب قرض لینے لگے تھے اس وقت سوچنا تھا کہ ہم ادا بھی کر سکیں گے یا نہیں۔ مجھے قرآن کریم کی اس آیت پر ہمیشہ تعجب ہوا کرتا تھا کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَدْ آيَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتَبُوهُ۔

(البقرہ: ۲۸۳) اس میں مدت کی شرط لگائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ اس میں دو فائدے ہیں۔ اول۔ دینے والے کے لیے (۲) لینے والے کے لیے۔ اول لینے والے کے لیے یہ فائدہ ہے کہ مثلاً مہینہ کا وعدہ ہے۔ تو مہینہ کے بعد جا کر طلب کرے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس کو روز روز پوچھنا پڑے گا۔ اور نیز یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جب مہینہ کا وعدہ ہوگا تو یہ حق نہیں ہوگا کہ دوسرے دن ہی مطالبہ شروع کر دے۔ دوسرا فائدہ ہوگا کہ جب لینے والا لینے لگے گا۔ تو پہلے سوچے گا کہ میں جتنے عرصہ میں ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اتنے عرصہ میں ادا بھی کر سکوں گا کہ نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی آمدنی پندرہ بیس روپیہ ماہوار رکھتا ہے۔ اور ایک مہینہ کے وعدہ پر سو روپیہ قرض لیتا ہے۔ تو سوال ہوگا کہ وہ کہاں سے ادا کرے گا۔

اس لیے قرض دینے والا اس سے متنبہ ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ایک زمیندار قرض لیتا ہے اور اس کی فصل اس کے قرض سے زیادہ یا برابر ہے تو وہ لے سکتا ہے۔ پس اس آیت میں یہ فوائد بتاتے ہیں۔ اور اب ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ وہ جو قرض لیتا ہے وہ اس کو ادا کر سکے گا یا نہیں۔ اگر نہیں ادا کر سکے گا۔ اور وہ قرض لیتا ہے تو یہ ٹھگی ہے۔ بعض وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ گنجائش نہیں۔ ان کو ثابت کرنا چاہیے کہ جب وہ لینے لگے تھے۔ اس وقت ان کو امید تھی کہ وہ قرض ادا کر سکیں گے۔ مگر ناگہانی اسباب نے ان ذرائع کو منقطع کر دیا۔ اس لیے قرض ادا کرنا ممکن نہ رہا۔ ورنہ گنجائش کا سوال بعد از وقت ہے۔

اگر کوئی شخص قرض لے کر نفع اٹھاتا اور تجارت کرتا ہے۔ اور قرض خواہ کو قرض نہیں دیتا تو ضروری ہے کہ اس سے روپیہ لیکر اس کو دیا جائے۔ اگر وہ کہے کہ میری تجارت تباہ ہو گئی۔ تو اس کا روپیہ تھا ہی نہیں کہ یہ تجارت کر سکتا۔ اس نے جو نفع اٹھایا اسی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح قرض لیتے ہیں اور آپ نفع اٹھاتے ہیں اور قرض خواہ کو نہیں دیتے وہ نفع نہیں اٹھاتے وہ آگ سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ پس جو معاملہ کرو، دیانت سے کرو۔ اور صفائی اس میں رکھو۔ قرض دینے والے کو چاہیے کہ کچھ لے اور مدت مقرر کر لے اس میں دونوں کے لیے فائدہ ہے۔

بعض لوگ کام کچھ نہیں کرتے اور قرض لے لے کر گزارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ توکل پر گزارہ کرتے ہیں۔ حالانکہ توکل انبیاء اور اولیاء کرتے ہیں۔ اور اس کے معنی ہیں کہ وہ شخص بادشاہ ہو گیا۔ کیونکہ جس طرح بادشاہ جب چاہتے ہیں ٹیکس لگا کر رقم وصول کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو متوکل ہوتے ہیں۔ ان کی ضرورت خدا پوری کرتا ہے مگر یہ عجیب متوکل ہیں کہ لوگوں سے قرض لیتے ہیں اور دیتے نہیں۔

ہاں جو لوگ اپاہج ہوں یا معذور ہوں۔ ان کی مدد حکومت پر فرض ہے۔ اگر حکومت غیر مذہب کی ہو اور اس کا ایسا انتظام نہ ہو۔ تو پھر وہ جس جماعت سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس جماعت کے کام کا اور بیت المال کا فرض ہے کہ ان کی ضروریات پورا کرے۔

لیکن جس طرح بعض لوگ قرض لینے میں بد معاملگی کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض دوکاندار بھی بد معاملگی کرتے ہیں وہ بچوں یا عورتوں کو یا ایسے لوگوں کو جن کی آمدنی کوئی سبیل نہیں وہ محتاج یا اپاہج ہیں۔ اور ان کا بار بیت المال پر ہے۔ قرض دیتے ہیں اور بچوں کے باپ کو اور عورت کے خاوند اور اپاہجوں کے قرض کے لیے انجن کو مجبور کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ شور ڈالنے سے مل ہی جائے گا۔ حالانکہ ان کا فرض ہے کہ یہ قرض اس کو دیں جس پر ان کو ذاتی اعتماد ہو۔ اور وہ شخص ذاتی امانی رکھتا ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ بھی تنگی کرتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے معاملات کی خرابی سے جماعت کو بدنام کرتے ہیں۔ اس لیے بستر ہو کہ ایسے لوگ اپنے رویہ کی اصلاح کریں۔ ورنہ ان کو جماعت سے الگ کر دیا جائے گا۔ مذہب سے الگ کرنا تو اختلاف عقائد سے ہوتا ہے مگر جس شخص کا رویہ جماعت کے لیے مضر ہو۔ اس کو جماعت سے الگ کیا جاسکتا ہے۔

میں ان اصحاب کو بھی نصیحت کرتا ہوں جو سستی سے کام لیتے ہیں کہ وہ سستی کو چھوڑ دیں۔ یاد رکھو کہ یہ معاملات کی اچھائی یا بُرائی ہے جس کی بناء پر غیر شخص تمہارے متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔ اگر معاملات اچھے ہیں تو لوگ تمہاری بات سن سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو ساری جماعت چند آدمیوں کی خاطر ٹھگ کھائے گی۔ اور مثال میں دو چار نام لے دینا ہی کافی خیال کیا جائیگا۔

پس جو قرض دیتا ہے وہ محسن ہے۔ سچی ضرورت کے وقت لو اور میعاد معینہ میں ادا کرو۔ اگر کسی معقول وجہ سے نہیں آتا رکھتے تو نرمی اور خندہ پیشانی سے اس کو یقین دلاؤ کہ میں ان وجوہ سے اب ادا نہیں کر سکا۔ پھر آئندہ کروں گا اور جب روپیہ آئے۔ تو پہلے قرض خواہ کے روپے ادا کرو۔ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں میں نے عورتوں کو زیادہ دیکھا۔ بوجہ ان کے ناشکر گزار ہونے کے تو ناشکروں کی سزا جہنم ہے۔ لوگ معاملات سے حالات کا اندازہ کرتے ہیں۔ نمازوں سے نہیں۔ اگر اس طرح تبلیغ کے رستہ کو بند کر دیا تو پھر کوئی عمدہ رستہ نہیں۔ پس اپنے معاملات کی درستی پر بہت زور دو۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین :-
(الفضل ۲۵، نومبر ۱۹۲۰ء)

